# قدرتی توازن کو پہچانیے !

Jan Van Hooff ' پوری زندگی جانوروں پر سائنسی تحقیق کرتا رہا۔ ہالینڈ کا مشہور ترین Biologist تھا۔ حد درجہ اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان جو خصوصی طور پر چیمپنز Chimpanzees اوران کے رویوں پر حد درجہ دقیق تحقیق کرنے میں مصروف رہا۔ 1971ء میں ایک مادہ گوریلا چڑیا گھر میں لائی گئی۔ اس کا نام '' ماما'' رکھا گیا۔ پروفیسر وون کی سربراہی میں' سائنسدانوں نے گوریلوں کے گروہ کی عادات وسکنات کو پرکھنا شروع کر دیا۔ جین کو احساس ہوا کہ '' ماما'' حد درجہ مختلف ہے اور اسے انسانوں سے رابطہ کرنے میں مہارت حاصل ہے۔ جس چڑیا گھر میں یہ تحقیق جاری تھی اس کا نام Royal Burgers Zoo تھا جو ایک سو دس ایکڑ پر محیط تھا۔ اور ہالینڈ کے شہر ARNHEM میں واقع ہے۔ وقت گزرتا گیا اور ڈاکٹر جین اپنی تحقیق کو مستند ترین کتابوں میں منتقل کرتا گیا۔ ان کتابوں میں سب سے زیادہ متاثر کن تاثرات' ماما کے متعلق تھے۔ جیسے ہی ہوف گوریلوں کے پنجروں میں جاتا' ماما دور سے دوڑتی ہوئی آتی اور اس کے ساتھ لپٹ جاتی۔ سائنسدان کئی کئی گھنٹے اس مادہ گوریلا کے ساتھ گھومتا رہتا اور اس کی حرکات وسکنات کو سائنسی نظر سے پرکھتا رہتا۔ ماما کے رویہ نے ہوف کو جانوروں کے متعلق بہت کچھ نیا سکھایا۔ اسے علم ہوا کہ گوریلے آپس میں کس طرح بولتے ہیں۔ ان کے باہمی سماجی رویے کیسے ہیں۔ وہ گروہی سطح پر ایک دوسرے کی بھرپور مدد کب اور کس طرح کرتے ہیں۔ اور ان میں باہمی یگانگت' محبت اور نفرت کا تعلق کیا ہے۔ جب یہ تحقیقاتی رپورٹ شائع ہوئی تو اس نے دنیا میں سائنسی اعتبار سے تہلکہ مچا دیا۔ انسان اور جانور کے ربط کو پہلی بار اس طرح محسوس کیا گیا۔ پروفیسر وان ہوف ریٹائرمنٹ کے بعد کتابیں لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ ایک دن چڑیا گھر سے منسلک ایک شخص کا فون آیا کہ ماما کی عمر اب انسٹھ برس کی ہو چکی ہے۔ اس نے تین ہفتے سے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ اور وہ ایک کونے میں لیٹی ہوئی موت کا انتظار کر رہی ہے۔ پروفیسر ہوف کو ماما سے حد درجہ انسیت تھی۔ اسے یقین نا آیا کہ اتنی ذہین اور فعال مادہ گوریلا یکدم زندگی سے اتنی لاتعلق ہو جائے گی۔ اگلے ہی دن وہ برگرز وو پہنچا اور ماما کے پنجرے میں چلا گیا۔ اس کی تشویشناک حالت دیکھ کر پروفیسر وون کے آنسو نکل آئے۔ ماما ایک ڈھانچہ بن چکی تھی اور آنکھیں بند کئے ہوئے موت کا انتظار کر رہی تھی۔ پروفیسر نے بڑی محبت سے ماما کا نام لیا مگر اس نے کسی قسم کی توجہ نہ دی۔ لگتا تھا کہ ماما' پروفیسر کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کو فراموش کر چکی ہے۔ اچانک وون کے ذہن میں وہ گانا آیا جو کبھی کبھی وہ ماما کو سنایا کرتا تھا۔ وون نے بلند آواز میں وہی گانا گانا شروع کر دیا۔ جیسے ہی اس نغمے کی آواز ماما کے کانوں میں پہنچی تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور محبت سے ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ پروفیسر وون کی موجودگی اس کے لئے ایک نعمت سے کم نہ تھی۔ ماما نے بڑی مشکل سے اپنا دایاں بازو اٹھایا۔ پروفیسر نے اس کا بازو تھام لیا اور اسے آہستہ آہستہ سہلانا شروع کر دیا۔ ماما کچھ بھی نہیں بھولی تھی۔ چند گھنٹوں میں وہ تھوڑی سی بہتر ہو گئی۔ ایک پورا دن گزر گیا۔ اگلے دن پروفیسر وون دوبارہ ماما کے پاس گیا تو ماما اپنی انگلی سے پنجرے کے آخری کونے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ پروفیسر اس طرف گیا۔ سوکھی گھاس کو اٹھایا تو حیران رہ گیا کہ ماما نے چڑیا گھر سے ملنے والے کھانے کو محفوظ طریقے سے جمع کر رکھا ہے۔ ایسے لگتا تھا وہ صرف انتظار کر رہی تھی کہ کب اس کا دوست آئے اور وہ کھانا کھانا شروع کر دے۔ پروفیسر وون نے اس کھانے میں سے چند اشیا اٹھائیں اور بڑی احتیاط سے بوڑھی ماما کو کھلانی شروع کر دیں۔ ساتھ ساتھ وہ گانا بھی گاتا جاتا تھا جو ماما کو پسند تھا۔ چڑیا گھر کے عملے کی حیرت انتہا تک پہنچ گئی جب انہوں نے نحیف ماما کو رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے دیکھا۔ انہیں بھرپور اندازہ ہوا کہ جانور کتنے حساس اور عقل مند ہوتے ہیں۔ وہ کس طرح اپنے پیاروں کا انتظار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اپنے مشکل حالات میں' انہی شناسا ہاتھوں سے کھانا کھائیں۔ تحقیق کا یہ عنصر حیران کن تھا۔ پروفیسر وون کئی دن تک روز' ماما کے پنجرے میں آ جاتا تھا۔ ماما اس کے ہاتھ سے خوشی سے کھانا کھاتی تھی۔ جیسے ہی پروفیسر پنجرے میں آتا تو ماما کے چہرے پر مسکراہٹ آ جاتی۔ اس کی ہنسنے والی یہ تصویریں کروڑوں لوگوں نے سوشل میڈیا پر دیکھیں۔ موت کا ایک دن اور وقت متعین ہے۔ ماما ایک دن بڑے آرام سے جہان فانی سے کوچ کر گئی۔ اس کے کمزور سے بازو اور ہاتھ پروفیسر وون کے ہاتھوں میں تھے۔ چڑیا گھر کے سائنسدان اور اسٹاف' آخری وقت میں اردگرد موجود تھے۔ ڈاکٹر وون کے لئے یہ لمحہ بڑا مشکل تھا۔ ماما کی موت پر زاروقطار رو رہا تھا۔ انسان اور جنگل کے جانور کے درمیان محبت اور انسیت کا یہ لگاؤ' سائنسی دنیا میں ایک مثال بن کر رہ گیا۔ ڈاکٹر وون کے مطابق اس نے ماما سے زیادہ عقل منداور مردم شناس گوریلا پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔ اس کی لکھی ہوئی کتابوں میں اکثر ماما کا ذکر ملتا ہے۔

دنیا میں انسان' حیوان' کیڑے مکوڑے اور نباتات ایک خاص توازن سے زندہ رہتے ہیں۔ یہ خوبصورت ترین عدل انسانی زندگی کے لئے امرت دھارا ہے۔ اور یہی صورتحال معروضی طور پر دیگر عناصر کی ہے۔ ایک سائنسی تحقیق کے مطابق اگر دنیا سے انسانی زندگی معدوم ہو جائے تو اس میں دیگر عناصر بڑے اطمینان سے زندہ رہ سکتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس اگر دنیا سے حیوانات' پرندے اور کیڑے مکوڑے ختم ہو جائیں تو انسانی نسل بہت تھوڑے عرصے میں ختم ہو جائے گی۔ مطلب یہ کہ ہماری اپنی زندگی کے لئے ان سب کا ہونا حد درجے ضروری ہے۔ آپ کے سامنے ایک مثال رکھنا چاہتا ہوں جس سے آپ کو اس عنصر کی اہمیت کا اندازہ ہو۔

انقلاب چین کے لیڈر ماؤزے تنگ نے 1958ء میں فیصلہ کیا کہ انسان کو' نیچر کو فتح کر لینا چاہیے۔ اسے دریاؤں کو مفتوح کرنا چاہیئے اور پہاڑوں کو انسان کے سامنے سر جھکانا چاہیئے۔ اس کے اعلان کے بعد پورے چین میں قدرتی اشیاء کے خلاف جنگ شروع ہو گئی۔ یہ مہم Great Leap Forward کا حصہ بن گئی۔ ماؤ کے احکامات کے تحت جنگلات کو ختم کرنا شروع کر دیا گیا۔ ماؤ کے مطابق چڑیاں' اس کی قوم کی دشمن ہیں کیونکہ وہ گندم کے ذخائر کو چٹ کر جاتی ہیں۔ حکومت کے احکامات کے زیر اثر مکھیاں' مچھر' چوہے اور چڑیوں کو مارنے کی جارحانہ مہم شروع کی گئی۔ پورے ملک میں کروڑوں چڑیاں مار دی گئیں۔ مگر جب قدرتی توازن' ختم ہوا تو انتقام ایک مختلف طریقے سے سامنے آیا۔ پورے چین کی فصلوں پر ٹڈی دلوں کے لشکروں نے حملہ کر دیا۔ پورے ملک میں گندم کے ذخائر حد درجہ ناگفتہ بے حال میں چلے گئے۔ ٹڈی دل کو کھانے والی چڑیاں وہ سپاہی تھیں جو گندم کو ٹڈی دلوں کے شر سے محفوظ رکھتی تھیں۔ نتیجہ کیا نکلا چین میں ایک خوفناک قحط آیا جس میں ساڑھے چار کروڑ لوگ غذائی قلت کی بدولت مر گئے۔ جب حکومت کو اپنی حماقت کا اندازہ ہوا تو وقت گزر چکا تھا۔ اس کے بعد ماؤ نے اپنے تمام احکامات واپس لئے اور لاکھوں کی تعداد میں چڑیاں بیرون ممالک سے منگوا کر چین میں چھوڑیں گئیں۔ جنگل دوبارہ لگائے گئے۔ اس کے بعد بڑی تگ ودو سے دہائیوں بعد چین اس قابل ہوا کہ اپنی غذائی قلت پر قابو پا لے۔

عرض کرنے کا مقصد بالکل سادہ سے ہے۔ انسانی زندگی اور اس کے اردگرد کے ماحول کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اس تعلق کو حد درجہ غور سے پہچاننے کی ضرورت ہے۔ اپنے معاشرے سے متعدد شکایات ہیں۔ اس میں ایک بہت بڑی شکایت یہ بھی ہے کہ ہم نے قدرتی توازن کو اجاڑ کر رکھ دیا ہے۔ جنگل کے جنگل انسانی لالچ کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ہمارے ہاں نئے پودے لگانے کی رفتار حد درجے کم ہے۔ اکثریت پرندوں اور جانوروں سے دور بھاگتی ہے۔ بلکہ ان کی نسل کشی میں لذت محسوس کرتی ہے۔ اندازہ ہی نہیں کہ ہماری زندگی کی خوبصورتی ان تمام چیزوں سے منسلک ہے۔ درخت لگانے کی سرکاری مہم بے جان سی ہوتی ہے جس میں نمائشی طور پر کسی وزیر اعظم' وزیر اعلیٰ یا بابو سے درخت لگوایا جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ ہم اس غیر متوازن رویے کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ جو موسمیاتی تبدیلی کی تباہ کاریوں کی صورت میں ہمارے سامنے آن کھڑی ہوئی ہے۔ خیر وقت تو گزر چکا ہے لیکن اگر اب بھی ہوش کے ناخن نا لئے۔ تو نا تو یہ چار موسم رہیں گے' ناخوفناک سیلابوں سے نجات ملے گی اور نہ ہی انسانی زندگی محفوظ رہے گی۔ کوشش کیجئے کہ اپنے اردگرد شجر کاری سے لے کر' پرندوں کی محبت تک' ہر قدرتی چیز کی آبیاری کریں۔ شاید قدرت ہم پر دوبارہ مہربان ہو جائے !